ڈاکٹر احمد امین مِصری

اپنی تالیفات کے آئینہ میں ـــــ ایک جائزہ

جناب محمد صلاح الدین عمری ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی ـ علی گڑھ

احمد امین کی پیدائش یکم اکتوبر ۱۸۸۶ء کو قاہرہ کے ایک متوسط علمی گھرانے میں ہوئی۔ ان کے والد ضلع بحیرہ کے موضع سمخطراط سے، زمینداروں کے ظلم وجور سے تنگ آکر روزی روٹی کی تلاش میں، قاہرہ آکر آباد ہوگئے تھے۔ احمد امین اِس نقلِ مکانی کو اپنی خوش قسمتی سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "قسمت دیکھئے کہ میرے والد سمخطراط کے اس ظالم ماحول سے نکل آئے تھے، ورنہ میں بھی کاشتکاری کرتا ہوتا۔"[1]

احمد امین کی ابتدائی تعلیم کا آغاز مکتب سے ہوتا ہے جہاں خالص مذہبی اور روایتی قسم کا ماحول تھا اور جہاں کے شیوخ عمامہ اور جبہ میں ملبوس رہتے اور بچوں کو سخت جسمانی سزائیں دی جاتیں۔ شیوخ کی سنگدلی اور بے جا سختیوں سے پیدا ہونے والے گھٹن کے ماحول سے احمد امین اندر ہی اندر سُلگتے رہتے۔ جس کا اظہار انھوں نے اپنی خود نوشت سوانح 'حیاتی' میں سخت بیزاری کی صورت میں کیا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے مراحل انھوں نے اس قسم کے

۱۔ احمد امین، حیاتی، ص ۱۴۔

چار مدرسوں میں گذارے لیکن خود احمد امین کا بیان ہے کہ انھوں نے اخلاقی اور روحانی تعلیم اپنے والد کی سرپرستی میں گھر ہی پر حاصل کی جو بچوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتے اور ان کو ہر وقت یہ فکر دامنگیر رہتی کہ ان کا یہ بچہ کہیں تعلیم کی دولت سے بے بہرہ نہ رہ جائے۔ اپنے اس جذبہ کے تحت وہ احمد امین کو مدرسۂ ام عباس میں داخل کرتے ہیں جہاں خصوصی طور پر جدید طریقۂ تعلیم کو ملحوظ رکھا گیا تھا، بچوں کی نفسیات کے پیش نظر ان پر بے جا سختی کے بجائے ان سے شفقت و رأفت کا برتاؤ اور ان کی اخلاقی تربیت پر بطور خاص دھیان دیا جاتا۔ یہاں کی کھلی ہوئی خوشگوار فضا میں احمد امین کو قدرے آزادی کا احساس ہوا۔ پھر یہیں سے اُن کے والد اُن کو ازہر میں داخل کر دیتے ہیں۔ لیکن احمد امین کو یہاں کا قدیم ماحول پسند نہیں آیا، تاہم وہ اپنے والد کے اصرار پر دو سال تک وہاں زیر تعلیم رہے۔ یہیں ان کی ملاقات شیخ محمد عبدہٗ سے ہوئی تو پہلی ہی ملاقات میں ان کے گرویدہ ہوگئے۔ لیکن ازہر کے روایتی ماحول میں احمد امین زیادہ دن وہاں رہنے پر خود کو تیار نہ کرسکے اور طنطا کے ایک مدرسہ میں ملازمت کرلی۔ اور تقریباً دو سال یہاں تدریسی فرائض انجام دینے کے بعد اسکندریہ کے ایک اسکول راتب پاشا میں تدریسی خدمات پر مامور ہوئے۔ اسکندریہ کی سرسبزی و شادابی اور حسین و دلفریب مناظر سے ان کو بڑا اہتزاز و ابتہاج ہوا اور یہیں سے ان کی زندگی میں سکون، پختگی اور ٹھہراؤ پیدا ہونا شروع ہوا۔ وہ گھنٹوں سمندر کے کنارے بیٹھ کر اس کی موجوں کے زیر و بم میں اپنے داخلی اضطراب اور رنج و الم کو بھلانے کی کوشش کرتے[1] نقشبندی سلسلہ کے متدین صوفی اور عبدہٗ کی اصلاحی تحریک کے حامی شیخ عبدالحکیم بن محمد ــــ جو اسکندریہ کے مدرسہ راُس التین الثانوی میں عربی زبان کے استاذ تھے ــــ کی پرکشش شخصیت نے تو احمد امین کی زندگی کو ایسی

۱۔ احمد امین، حیاتی، ص ۷۴۔

وسعتوں سے آشنا کر دیا کہ اب ان کی نظریں غم جاناں کی سطحیت سے پرے غم دوراں کی آفاقیت پر مرکوز ہو جاتی ہیں اور ان کا دل اس شخصیت کی جانب کھنچا چلا جاتا ہے وارفتگی کی اس کیفیت سے مغلوب ہو کر وہ اس شخصیت کو اپنے والد کے بعد دوسرا معلم شمار کرتے ہوئے اعتراف کر لیتے ہیں کہ:

"اُن کی صحبت نے میری خامیوں کو دور کر دیا، میرے نفس میں وسعت پیدا کی اور میرے افق کو روشن کر دیا۔ میں کتاب کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ دنیا کتاب میں نہیں ہے۔[1]"

شیخ عبدالکریم بن محمد نے احمد امین کے دل ودماغ پر بڑے گہرے اور دور رس اثرات چھوڑے ہیں۔ ان کی سحور کن شخصیت نے احمد امین کو ان کی موجودہ دنیا سے کہیں آگے کی دنیا میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ چنانچہ وہ پھر کہہ اٹھتے ہیں کہ:

"مجھ پر غنودگی طاری تھی، انھوں نے مجھے بیدار کیا، میں اندھا تھا، انھوں نے مجھے بصیرت بخشی، اور میں تقالید کا غلام تھا، انھوں نے مجھے آزادی سے روشناس کرایا۔[2]"

۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۷ء (یعنی ایک سال) تک احمد امین نے مدرسہ اُمّ عباس میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ ۱۹۰۷ء میں جب شیخ محمد عبدہٗ کی تجویز پر مدرستہ القضاء کا قیام عمل میں آیا تو یہاں داخلہ لے لیا۔ اس مدرسہ میں علوم دینیہ وعلوم لغویہ کے علاوہ

۱۔ احمد امین، حیاتی، ص ۷۶

۲۔ ” ” ” ص ۷۸

علوم جدیدہ تاریخ و جغرافیہ، فزکس، کیمسٹری، ریاضی، الجبرا، ہندسہ اور انگلش وغیرہ کی تعلیم و تدریس کا بھی خصوصی انتظام تھا۔ لیکن علماء ازہر چونکہ علوم جدیدہ کے نام سے غیر معمولی نفرت کا اظہار کرتے تھے اس لئے ان تمام علوم خصوصًا فزکس اور کیمسٹری کو "الخواص التی اودعہا اللّٰہ تعالٰی فی الاجسام" (یعنی خدا کی ودیعت کردہ، اجسام کی خصوصیات کا علم) کے نام سے داخل نصاب کیا گیا تھا۔ اس مدرسہ کے پرنسپل عاطف برکات کی باوقار علمی شخصیت سے بھی احمد امین متاثر ہوئے جن کی صحبتوں میں ان کی فکری وسعتوں میں مزید آفاقیت پیدا ہوئی۔ ۱۹۱۱ء میں یہاں کا ۴ سالہ عالمیت کا کورس مکمل کرنے کے بعد وہ یہیں اخلاقیات کے مدرس ہو گئے۔ ۱۹۱۳ء میں ان کا مستقل تقرر محکمۂ شرعیہ میں بحیثیت قاضی ہو گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر مدرسۃ القضاء الشرعی میں مستقل خدمت پر واپس آگئے جہاں ۱۹۲۱ء تک رہے۔ عاطف برکات جن کو اس وقت کی علمی و ادبی محفلوں میں نمایاں حیثیت حاصل تھی، ان کے علم و ادب کا ہر طرف چرچا تھا، ان ہی کے افکار و نظریات کے روغن سے علم و ادب کی شمعیں روشن تھیں، ایسے لائق اور مہربان استاذ کی سرپرستی میں احمد امین کے ذہن و فکر کو بھی جلا نصیب ہوئی اور ان پر تحقیق و تنقید کے نئے افق روشن ہوئے۔

احمد امین نے انگریزی زبان کی تعلیم بھی بڑی محنت اور جانفشانی سے حاصل کی۔ خود لکھتے ہیں کہ جس وقت میں نے سید امیر علی کی SPIRIT OF ISLAM کا مطالعہ کرنا شروع کیا تو اس کے ایک ایک صفحہ کو سمجھنے کے لئے کئی کئی گھنٹے ڈکشنری دیکھنے میں لگ جاتے۔ اس ذوق و شوق اور زہرہ گدازی سے ان کا تعلیمی مشغولیات میں انہماک اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ابتدا ہی سے وہ تحقیق و تنقید کے موضوعات سے دلچسپی رکھتے تھے اور اپنے اسی ذوق و تشنگی کو بجھانے کے لئے وہ اتنی سخت محنت و کاوش سے کام لے رہے تھے۔ احمد امین اپنی ایک انگریز معلمہ (MISS POWER) سے بھی کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کا

خیال ہے کہ ان خاتون نے نہ صرف مجھے انگریزی زبان و ادب کی تعلیم دی بلکہ میری اخلاقی تربیت بھی کی۔ ان کا بیان ہے کہ ۲۷ سال کی عمر میں میری حرکات و سکنات بالکل شیوخ جیسی تھیں۔ میں انتہائی رنجیدہ رہتا اور اپنے اندرون میں گھٹن محسوس کرتا، مجھے زندگی میں کوئی لطف و رعنائی محسوس نہ ہوتی، میرا دل خوشیوں و مسرتوں کے احساس سے محروم رہتا۔ چنانچہ یہ خاتون گاہے بگاہے یہ جملہ یاد دلاتی رہتیں کہ "یاد رکھو کہ تم نوجوان ہو"۔ انھوں نے محسوس کیا کہ میری نظریں کسی خوبصورت پھول، حسین چہرہ اور مناظر فطرت کی رعنائیوں اور نظم و ضبط کے حُسن پر متوجہ نہیں ہوتیں تو انھوں نے دوسرا جملہ یہ دہرانا شروع کیا کہ "تمھارے پاس فنکار کی نظر ہونی چاہیئے"۔ احمد امین نے ایسی ہی تین انگریز خاتونوں سے انگریزی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ وہ قاہرہ کے ایک ہوٹل میں روزانہ شام کو اپنے انگریزی تعلیم یافتہ دوستوں کے ساتھ اکٹھا ہوتے جہاں انگریزی ناولوں اور رسائل و جرائد پر بحث و مباحثہ اور تنقیدوں کا دور دورہ رہتا۔ ان دوستوں کی ہم نشینی سے بھی احمد امین کو خاصا فائدہ ہوا۔

احمد امین کی پہلی کتاب مبادئ فلسفہ کے نام سے رابو پورٹ کی ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جو ۱۹۱۸ء میں منظر عام پر آئی۔ ۱۹۲۲ء میں ان کی دوسری کتاب کتاب الاخلاق شائع ہوئی جو انگریزی کتب کی مدد سے تیار کیے گئے وہ نوٹس ہیں جو انھوں نے طلبا کے لئے تیار کیے تھے[1]۔

۱۹۲۶ء میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی توجہ سے ان کو قاہرہ یونیورسٹی کی کلیۃ الآداب (آرٹس فیکلٹی) میں ملازمت مل گئی[2]۔ جہاں ان کو مصری علماء کے ساتھ ساتھ جرمن، اطالوی، فرانسیسی اور انگریز اساتذہ سے ملنے کے بھی مواقع میسر آئے۔ ان اساتذہ

۱۔ حیاتی، ص ۱۶۳۔ ۲۔ حیاتی، ص ۱۹۹۔

کے درس تدریس کام کرنے اور یونیورسٹی کی علمی فضا سے احمد امین کی علمی ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ یہاں کے جدید ماحول میں ان کی فکری زندگی میں واضح تبدیلی ہوئی۔ بحث تحقیق کے نئے نئے گوشے سامنے آئے اور انھوں نے محسوس کیا کہ یونیورسٹی حریت رائے، علمی حقائق اور شاندار ادبی ورثہ کی وضاحت اور صراحت کا مینار ہے۔ یہی نہیں بلکہ احمد امین نے یہاں کے مغرب زدہ ماحول سے متاثر ہوکر اپنا جبہ وعمامہ اتار پھینکا اور اس کی جگہ انگریزی لباس، سوٹ اور ٹائی زیب تن کر کے گویا قدامت پرستی سے کنارہ کش ہوکر خود کو جدید تہذیب وتمدن سے ہم آغوش کرلیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنے پسندیدہ موضوع علم اخلاق اور فقہ کو ترک کر کے علوم لغت وادب اور بلاغت پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردی۔

۱۹۲۸ء میں احمد امین کو ترکی جانے اور وہاں کے کتب خانوں نیز اہل علم سے استفادہ کا موقع ملا۔ ۱۹۳۰ء میں شام اور ۱۹۳۱ء میں عراق اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کا موقع نصیب ہوا۔ ۱۹۳۲ء میں لائیڈن میں ہونے والی مستشرقین کی کانفرنس میں انھوں نے 'نشأۃ معتزلہ' پر ایک مقالہ پڑھا۔ اس سفر میں ان کو دیگر مقامات پیرس اور لندن وغیرہ میں ٹھہرنے اور وہاں کی علمی محفلوں میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ ۱۹۳۸ء میں بروکسل میں ہونے والے مستشرقین کے سمینار میں شرکت کی۔ اسی موقع پر بیلجیم، فرانس اور اٹلی کا دوبارہ سفر کیا۔ اس دوران ۱۹۳۵ء میں ان کو ان کی معرکۃ الآرا کتاب فجر الاسلام اور ظہر الاسلام پر ان کی بے پناہ علمی صلاحیتوں اور لیاقت کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی۔[1] اس کے بعد وہ یونیورسٹی میں پروفیسر اور پھر ۱۹۳۹ء میں آرٹس فیکلٹی کے ڈین مقرر ہوئے۔ لیکن یہاں کی بے پناہ مصروفیات

۱۔ حیاتی، ص ۳۸۔

چونکہ ان کی تصنیفی وتالیفی مصروفیات میں حائل ہورہی تھیں، لہٰذا کچھ عرصہ کے بعد وہ اس خدمت سے مستعفی ہو گئے اور یکسوئی سے تصنیف وتالیف کی زندگی میں واپس آگئے۔

ادب، ادیب کے مزاج وشخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کامیاب ادیب اور فنکار وہی ہے جس کی تخلیقات میں اس کی گوناگوں خصوصیات اور رنگارنگ ندرتوں کی جھلک ہو۔ ادیب ایک طرف تو اپنے فن پاروں کی تخلیق میں اپنی مثالیت کو لوگوں کے سامنے پیش کرکے ان کو اسی مثالیت کی تلاش پر آمادہ کرتا ہے۔ دوسری طرف وہ اپنے اندرون کے احساسات وجذبات کو اپنی تخلیق میں متشکل کرکے یک گونہ سکون بھی محسوس کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ ادب، ادیب کی روح وفن کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اور ادیب وفنکار کے آنسو ہی فن پارہ کو شہ پارہ کے انداز عطا کرتے ہیں۔ لیکن تاریخ ادب وثقافت کو بجنسہ پیش کرنا بڑا مشکل امر ہے۔ اس میں مورخ کو اپنے جذبات واحساسات کو بھلا دینا پڑتا ہے اور صرف اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر غیر جانبداری اور پوری دیانت داری سے حقائق کو پیش کرنا پڑتا ہے۔ کامیاب مورخ وہی ہے جو گذشتہ ادوار اور سابقہ ثقافتوں کی امانت کو بغیر کسی لغزش اور خارجی تاثرات کی آمیزش کے ہوبہو پیش کرنے میں کامیاب ہو۔

احمد امین بھی تاریخ ادب اور اسلام کے گذشتہ شاندار ادوار کی اسلامی وعربی فکر کو پیش کرنے میں حتی الامکان اسی اصول پر کاربند رہے ہیں۔ انھوں نے اسلامی فکر وثقافت کی تاریخ مرتب کرنے میں عالمانہ اور ناقدانہ طرز تحریر اپنا کر بڑی حد تک حق تاریخ نویسی ادا کر دیا ہے۔ ان کی تمام تاریخی تحریروں میں ان کی مضبوط قوت ارادی اور منطقی استدلال جلوہ گر ہے۔

احمد امین نے انتہائی دل سوزی اور محنت ومشقت سے اسلامی فکر وثقافت کا مطالعہ کیا، اور اپنی گراں قدر تصنیفات پیش کرکے دنیائے علم وفکر میں ایک نئی چیز کا

اضافہ کیا ہے۔ ان کی تصانیف کی ہر ہر سطر میں حریتِ فکر کی دعوت جلوہ گر ہے، ان کا خیال ہے کہ ہم کو صرف اپنے ماضی کے ادبی وثقافتی ورثہ پر قناعت نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اس سے اقوام میں جمود وتعطل جنم لیتا ہے۔ انھوں نے ماضی کی خوبیوں کو اپنانے اور مستقبل کی آرزوؤں و تمناؤں کی تکمیل پر آمادہ کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔

اپنی کتاب فجر الاسلام میں انھوں نے عربوں کی عقلی زندگی کا بڑا دقیق علمی تجزیہ کیا ہے۔ پہلے وہ تمام عقلی مسائل کو علحدہ علحدہ جانچتے اور پرکھتے ہیں پھر ان مسائل کے تانے بانے بن کر ان کو ایک مستقل شکل دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک پیچیدہ کام تھا لیکن احمد امین نے اپنی عقل وفہم پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی اَن تھک جد وجہد سے اس کو بڑی خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔

عربوں کی زندگی کے وہ مسائل اور پہلو جو ایک دوسرے سے اس طرح پیوست تھے کہ علحدہ علحدہ کر کے ان کو جانچنا اور پرکھنا اور ان کی ابتدار کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا بظاہر بہت مشکل تھا، اُن پر بھی احمد امین نے اپنی خود اعتمادی اور قوت فیصلہ پر یقین کرتے ہوئے عالمانہ اور محققانہ بحث کی ہے۔ پہلی صدی ہجری میں، عربوں کی زندگی پر کتاب وسنت کے اثر سے اسلامی اثرات کی چھاپ، پھر اس میں فلسفہ، ادب اور فن کی آمیزش، ان سب کا الگ الگ تجزیہ کرنا احمد امین ہی کا حصہ ہے۔

احمد امین نے کس قسم کا علمی اور تحقیقی انداز اپنایا ہے؟ اس کے لئے مثلاً ہم خوارج کے بارے میں ان کی بحث کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے پہلے تو خوارج کی ابتدار اور نشو ونما پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ خلافت کی تنقید اور اس کی اہلیت کے بارے میں سب سے پہلی فکر کے حامل بھی خوارج ہیں۔ اس فرقہ کی تصویر کشی اور اس پر مؤرخانہ تبصرہ کرتے وقت انھوں نے انتہائی منصفانہ انداز اپنایا ہے۔ نہ تو ان کی تعریف کے پل باندھے ہیں اور نہ ان کی قدر ومنزلت

گھٹایا ہے۔

احمد امین نے اسلام کی فکری و ثقافتی تاریخ مرتب کرنے میں اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہوئے تصنیف و تالیف کی اُن لغزشوں سے (بھی) بچنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں جو عام طور سے مصنفین، سیاسی و مذہبی عقائد اور افکار و نظریات کی مخصوص چھاپ کی وجہ سے حقیقت کو پیش کرنے میں جانبداری سے کام لے کر کرتے ہیں اور قاری کو گم کردۂ راہ کرکے حیران و پریشان کر دیا کرتے ہیں[1]۔

ضحی الاسلام میں احمد امین شعوبی تحریک کی ابتدا پر بحث کرتے ہوئے، خوارج، معتزلہ اور شیعہ تعلیمات کو اس کا سبب بتاتے ہیں کہ امامت اور ولایت کے سلسلہ میں خوارج کے دعوے اور غیر مستحق امامت اور امامت مسلمین پر الزام تراشیوں نے شعوبیوں کو ہتھیار فراہم کیے، جس سے انھوں نے عربوں پر حملے کیے۔ وہ اس خیال کی بھی تردید کرتے ہیں کہ شعوبی تحریک کا مقصد تحقیرِ عرب تھا۔ بلکہ ان کی رائے میں شعوبی تحریک ایک ڈیموکریٹک تحریک (DEMOCRATIC MOWMENT) تھی جو عربوں کی ارسٹوکریسی (ARISTOCRACY) سے نبرد آزما تھی[2]۔

احمد امین نے ضحی الاسلام میں معتزلہ، شیعہ اور خوارج پر دوبارہ بحث کی ہے اور ان کے ادب کو الگ الگ اپنی بحث کا موضوع بنایا ہے۔ ظہر الاسلام میں بھی احمد امین نے شیعہ، معتزلہ، اہل السنۃ اور خوارج و مرجئہ وغیرہ فرقوں کے نظریات و افکار کو محققانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ احمد امین نے عربوں کی عقلی اور ادبی تاریخ مرتب کرکے ناقابلِ فراموش

۱۔ زکی محاسنی، محاضرات عن احمد امین، ص ۹۱۔

۲۔ احمد امین، ضحی الاسلام، ص ۵۸۔

خدمت انجام دی ہے۔ ان کا یہ عظیم کارنامہ علمی اور ادبی دنیا میں ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ بقول زکی محاسنی "ان کی کتب کے مصادر معتبر اور منتخب ہیں، مواد میں کوئی غموض نہیں بلکہ اس کا خاکہ بہت واضح اور روشن ہے۔ ان کتب کے ایک صفحہ پر بھی کوئی پیچیدہ مسئلہ ایسا نہیں جس کی پیچیدگی برقرار رہ گئی ہو اور نہ کوئی بحث تشنہ رہی ہے۔ بلکہ ان کتب کی ہر سطر میں اور ان کی ہر فکر میں ایک نور جلوہ گر ہے۔ انھوں نے یہ کارنامہ اپنی عقل سے انجام دیا ہے نہ کہ اپنے شعور و تاثر سے[1]۔"

یوم الاسلام اگرچہ ابواب و فصول کی بندشوں سے آزاد، جدید سائینٹیفک طریقہ تصنیف و تالیف سے عاری اور علمی و تحقیقی طرز سے جداگانہ، سرسری طور پر لکھی گئی ہے اس لئے کتاب کو پوری طرح سمجھنے کے لئے قاری کو اسے ایک ہی نشست میں پڑھنا لازمی ہے۔ لیکن مصنف نے اس میں جن مختلف اسلامی و تاریخی موضوعات کو چھیڑا ہے اور بعض پیچیدہ پہلوؤں پر جس انداز سے روشنی ڈالی ہے وہ مصنف کی نظر رسی اور سلامتِ طبع کا پتہ دیتی ہے۔

جہاد اور اس کے فوائد کے ضمن میں صلح و جنگ کے فلسفہ پر انھوں نے بڑی عادلانہ بحث کی ہے، اور ثابت کیا ہے کہ جنگ بھی، انسانی معاشرہ اور اس کی بقا کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ صلح۔ لیکن اسلام کسی ذاتی منفعت، یا دین پر مجبور کرنے، اور کسی قوم کو تباہی و ہلاکت سے دوچار کرنے، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں سے تعرض کرنے وغیرہ کی سخت مخالفت کرتا ہے اور صرف اپنے دفاع اور ظلم و عدوان کے زور کو توڑنے کے لئے تلوار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے۔ مصنف کے نزدیک زوال مسلمین کا سبب تعیش نہیں بلکہ جہاد سے روگردانی ہے

۱۔ زکی محاسنی، محاضرات عن احمد امین۔

جس کی وجہ سے مسلمانوں میں شہوت پرستی در آئی۔ اور ظاہر ہے نفسانی جذبات کی فراوانی کم ہمتی اور کم عمری کا سبب ہوا کرتی ہے۔ دوسری وجہ مُسلم گھرانوں میں حسد، بغض، کینہ، منافقت، ماؤں میں خلوص کی کمی اور ان کا فسادِ اخلاق ہے، جس کی وجہ سے نئی نسل میں ضعفِ عقل، پستیٔ اخلاق اور بزدلی جیسی کمزوریاں پیدا ہوئیں۔ آخر میں وہ اپنے اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ مُسلم قوم کی حالت اس چیز سے درست ہو سکتی ہے جس سے اس کی 'ابتدا' درست ہوئی تھی۔

ہر عالم، ادیب اور فنکار کی تخلیقات اور اس کے افکار و نظریات پر کسی نہ کسی مسلک کی مخصوص چھاپ ہوتی ہے، حتیٰ کہ کسی تحریر کو پڑھ کر یا فن پارہ کو دیکھ کر ادیب و فنکار کے مزاج و شخصیت کا پورا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ احمد امین کی تحریروں میں بھی ہم کو ایک مخصوص رنگ جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور وہ ہے: اسلام، اس کی تعلیمات اور اس کے پیغام سے والہانہ لگاؤ اور محبت اگرچہ احمد امین نے اپنی کسی تحریر میں اس مخصوص چھاپ کا تذکرہ نہیں کیا ہے لیکن اسلامی فکر و ادب پر انھوں نے جس جگر کاوی اور زہرہ گدازی سے کام کر کے دنیائے علم و ادب کے سامنے فجر الاسلام، ضحی الاسلام، ظہر الاسلام اور پھر آخری کوشش یوم الاسلام کے نام سے اپنے قابلِ قدر کارنامے کی شکل میں پیش کیا ہے وہ اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ ان کو اسلامی فکر سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ بقول زکی محاسنی:

> "اگر تذکرہ نگار انصاف پسندی کا ثبوت دیں تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ احمد امین ادبِ اسلام اور فکر اسلام کے مؤرخ ہیں۔"[1]

۱۔ زکی محاسنی، محاضرات ص ۱۳۶۔

ان کی اسلامی فکر سے متعلق تصنیفات کی حیثیت صرف ادبی، دینی اور سیاسی تاریخ کی نہیں بلکہ وہ عربی فکر و ثقافت اور اسلامی وقار و سنجیدگی کا حسین آمیزہ ہیں۔ ان کتب میں انھوں نے اپنے شعور سے کام نہ لے کر خالص عقل پہ اعتماد کیا ہے۔ اور چونکہ انھوں نے انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی اس لئے ان کے ذہن وعقل میں مغربی افکار و نظریات کے افق بھی روشن تھے۔ انھوں نے ثقافت اسلامیہ اور عربی زبان کے ماہر مستشرقین کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا تھا اور دین وعقائد سے متعلق ان کے نظریات سے بھی واقفیت حاصل کی تھی۔ مستشرقین کے بعض نظریات سے وہ کسی حد تک متاثر بھی نظر آتے ہیں، جس کا اثر ان کی تصنیفات میں محسوس کیا جا سکتا ہے لیکن ان پر یہ الزام کہ وہ کلی طور پر مغربی فکر سے متاثر ہیں، صحیح نہ ہوگا۔ تاہم احمد امین نے مغربی فکر سے متاثر ہو کر جہاں جہاں تحقیقی و فکری غلطیاں کی ہیں، وہ بے شک قابل گرفت ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام کی عظمت ان کے جذبوں، اُن کی علمی و تحقیقی اُپج اور فکری ندرتوں پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ احمد امین کو شاید یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے فجر الاسلام، ضحی الاسلام اور ظہر الاسلام میں مستشرقین کے ہی امتیازی اوصاف اور طریقۂ تحقیق کو اپنا کر یہ تحقیقی کارنامہ پیش کیا ہے۔ اور غالباً ان کتب کی عظمت کا راز یہی ہے کہ ان میں علمی و تحقیقی اسلوب میں تحلیل و تجزیہ کے بعد تاریخی حقائق کو مثبت اور درست نتائج کی صورت میں پیش کرنا کا طرز اپنایا گیا ہے۔

احمد امین پر ایک الزام یہ ہے کہ ان کی زبان میں فصاحت و بلاغت نہیں ہوتی اور نہ وہ کسی خاص اسلوب کے مالک ہیں۔ دراصل احمد امین اپنے افکار و نظریات کی اشاعت کی غرض سے آسان، سلیس اور عام فہم زبان زبان استعمال کرتے ہیں ان کے نزدیک الفاظ فکر و معانی کو ہی صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں نہ کہ جذبات کی عکاسی کرنے کے لئے۔ وہ ایک سوال اٹھاتے ہیں

الفاظ ادیب کے جذبات کو قاری تک کیسے پہنچا سکتے ہیں ؟ کیا میں اپنی رگ رگ میں پیوست محبت یا سارے وجود کو ہلا دینے والے غم و غصہ کو الفاظ میں اتار سکتا ہوں؟ نہیں بلکہ الفاظ کی تخلیق تو صرف منطقی نتائج کو کاغذ پر منتقل کرنے کے لئے ہوئی ہے[1] احمد امین اپنی اس رائے میں کسی حد تک انتہا پسندی کا شکار ہو گئے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ الفاظ اس طرح جذبات و احساسات کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں جس طرح ان میں افکار و معانی کو پیش کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے بلکہ بقول زکی محاسنی "بعض الفاظ ایسی لڑی کی مانند ہوتے ہیں جن میں اگر بجلی کی لہر دوڑا دی جائے تو ان میں حرارت، زندگی، روشنی اور جادوئی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں[2]"۔ صرف الفاظ کا ادب پیش کرنے والے کو احمد امین اس کی کم علمی پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک الفاظ کا ادیب اپنی تمام علمی خامیوں کو الفاظ کی زینت و حسن سے اس طرح چھپاتا ہے جس طرح بدصورت عورت رنگ و روغن کرکے اپنی بدصورتی چھپاتی ہے[3]۔ احمد امین کے نزدیک ترقی یافتہ اقوام الفاظ کو ادائیگی افکار و معانی کا ذریعہ سمجھتی ہیں نہ کہ اظہار و جذبات کا وسیلہ۔ الفاظ کا ادب تو اقوام کے بچپن اور بڑھاپے کا آئینہ دار ہوتا ہے لیکن جب اقوام کی عقلوں میں پختگی آجاتی ہے تو وہ اشیاء کی گہرائیوں میں جھانکنا شروع کر دیتی ہیں اور الفاظ سے زیادہ معانی کو اہمیت دیتی ہیں[4]۔

احمد امین کے اسلوب تحریر کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ ہر ادیب و فنکار

۱۔ احمد امین، فیض الخاطر (ادب اللفظ وادب المعنیٰ) ج ۱، ص ۳۰۱۔

۲۔ زکی المحاسنی، محاضرات عن احمد امین ص ۸۵۔

۳۔ احمد امین، فیض الخاطر، ج ۱، ص ۳۰۴۔

۴۔ احمد امین، فیض الخاطر، ج ۱، ص ۳۰۴۔

اپنے ادب وفن کے ذریعہ کوئی نہ کوئی پیغام دیتا ہے۔ وہ ادب، ادب نہیں جو زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی عکاسی نہ کرے، عوام کی نظروں کو کسی مثالیت یا کسی حسن پر متوجہ نہ کرے اور ادیب کی وارداتِ قلبی میں قارئین کو شریک نہ کرے۔ چنانچہ اگر ادباء و علماء الفاظ کے گورکھ دھندے میں خود کو الجھالیں گے تو ان کا ادب (یا تحریریں کہنا زیادہ مناسب ہوگا) حسین وجمیل الفاظ کا ایک خوشنما گلدستہ تو ہوں گی لیکن خوشبو سے عاری۔ اور وہ گل ہی کیا جس میں خوشبو نہ ہو۔ احمد امین کی تحریریں، حسن وبو سے مرصع گلدستہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے کبھی بھی فصیح وبلیغ الفاظ اور مرصع ومقفیٰ عبارتوں کی ترتیب وتنظیم پر اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ ان کے پاس تو ایک پیغام تھا، ایک فکر تھی جو وہ کسی بھی صورت میں لوگوں تک پہونچانا چاہتے تھے۔ اس لئے صرف عبارات کی تزئین وآرائش اور الفاظ کی صنعت گری سے ان کو الجھن ہوتی تھی۔ سحر بیانی اور حسن ترکیب میں اپنا وقت صرف کرنے کو وہ تضیع اوقات سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک فکر کی وضاحت کے لئے حسنِ بیان کی نہیں بلکہ حسنِ ادا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے احمد امین کی تحریریں تعقید وغموض سے یکسر مبرّا ہیں۔ ان کی تحریروں میں ایک اہم عنصر حریت وصراحت کا غالب ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے افکار کو حقیقی روپ میں پیش کرتے ہوئے رنگ آمیزی سے کام لینا پسند نہیں کرتے۔ احمد حسن الزیات نے ان کے اسلوب پر بحث کرتے ہوئے کہا تھا کہ" احمد امین کا علم ان کے فن پر غالب ہے۔"[1]

فیض الخاطر میں ان کے علمی وادبی مقالات میں کہیں کہیں ایسا لگتا جیسے اسلوب جلوہ گر ہے جس میں علمی وقار وسنجیدگی کے ساتھ ساتھ فنی خوبیاں بھی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں۔ اپنے ایک مضمون "الربیع" میں تو وہ قلم سے

۱۔ احمد حسن الزیات، وحی الرسالہ، ج ۴، ص ۲۸۲۔

موتی بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں، دیکھئے:

"آہا، اے موسم بہار تو رونق افروز ہوگیا۔ تیرے ساتھ زندگی بھی اپنی تمام تر رنگینیوں اور رعنائیوں کے ساتھ آموجود ہوئی، پودے سر اُبھار رہے ہیں، درختوں میں برگ و بار اور گل بوٹے نمودار ہوگئے، بلی میاؤں میاؤں کرنے لگی، قمری گنگنانے لگی، کبوتری کوکو کرنے لگی، بکری ممیانے لگی، گائے بھی اپنی مخصوص آواز میں بولنے لگی۔ الغرض ہر عاشق اپنے محبوب کو آواز دے رہا ہے، حتیٰ کہ درختوں کی ٹہنیاں بھی بڑھ بڑھ کر گلے مل رہی ہیں، کسی کو بھی اپنے ہمراز سے ملے بغیر چین نہیں۔ اے موسم بہار! تیری رعنائیوں و دلفریبیوں کی اثر آفرینیاں ہر چیز کو زندگی کا احساس دلا رہی ہیں۔ ہر چیز میں زندگی کی حرارت دوڑ گئی، ہر شئے خود میں زندگی کی رعنائیاں سمو لینے کی کوشش میں سرگرداں ہے اور زندگی کے حسن و جمال سے پوری طرح لطف اندوز ہورہی ہے۔ ہر شخص زندگی کی تلخیاں بھول کر اس کی سعادت و فرحت میں کھو گیا ہے۔ اگر زمانہ جسم ہے تو تو اس کی روح، اگر زمانہ مظہر ہے تو تو اس کا راز اور اگر زمانہ عمر ہے تو تو اُس کا شباب ہے[1]"

احمد امین کی اس تحریر میں جذبات کے ساتھ ساتھ کس خوش اسلوبی سے علمیت اور واقعیت کی بھرپور عکاسی ہے۔ ان کو موسم بہار کی لطافت و نزاکت اور اس کا

۱۔ احمد امین، فیض الخاطر، ج ۴ ص ۶۹ــ۷۰۔

فرحت بخش احساس، درختوں، پھولوں، پودوں حتیٰ کہ حیوانات میں بھی نظر آتا ہے۔

الغرض مجموعی طور پر ہم احمد امین کے بارے میں زکی محاسنی کے الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ "ان کا اسکول جمود اور تجاوزِ حق کے بَین بَین رہتا ہے۔ وہ نہ تو سر کو خم کرتا ہے اور نہ منہ زوری اور بے جا جدت پسندی کی جانب مائل ہے[1]۔"

احمد حسن الزیات ان کی علمی زندگی کو ایک ایسے شیریں اور رواں دواں چشمہ سے تعبیر کرتے ہیں جو گنجان درختوں سے پُر راستوں کے نیچے، نرم زمین پر پیاسوں کو سیراب کرتا بغیر کسی شور و غل اور آواز کے نرم روی سے جاری ہو[2]۔

احمد امین نے جن گوناگوں موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور جو تاریخی، تنقیدی اور ادبی خدمات انجام دی ہیں ان سب میں ان کا اپنا مخصوص طرزِ فکر جلوہ گر ہے۔ اور وہ ہے ان کی صداقت، حریت، دیانت داری اور اخلاص پر مبنی علمی اور تحقیقی اسلوب۔ ان کی ہر تحریر میں تنقیدی و تحلیلی فکر کے ساتھ ادبی حلاوت، تاریخی دلچسپیاں اور منطقی استدلال کی جاذبیت قاری کو پوری طرح یکسو رکھتی ہے۔ ان کا اسلوب ایک ایسا پرکشش اور معتدل اسلوب ہے جس میں نہ تو صرف الفاظ کی تزئین و آرائش پر زور دیا گیا ہے اور نہ محض خشک تاریخی و تنقیدی نہج اپنا کر عبارتوں میں تعقید و غموض پیدا کیا گیا ہے۔ بلکہ تنقیدی، تاریخی اور ادبی موضوعات پر اپنے افکار کی وضاحت کے لئے انھوں نے حسن ادا سے کام لیا ہے۔ تاریخ اسلام پر انھوں نے جو عظیم خدمت انجام دی ہے۔ وہ احمد امین کی بلندیٔ فکر اور وسعتِ علم کا واضح ثبوت

۱۔ زکی محاسنی، محاضرات عن احمد امین ص ۱۸۶۔

۲۔ احمد حسن الزیات، وحی الرسالہ، ج ۳ ص ۱۴۸۔

ہے فیض الخاطر میں انھوں نے جن تاریخی، تنقیدی، سماجی، لسانی اور ادبی مسائل کو چھیڑا ہے وہ ان کی انشاء نگاری کے ساتھ ساتھ ان کی تنقیدی اپچ کا ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں۔ پھر ان کی النقد الادبی کو تو عربی زبان میں نظریاتی تنقید کی حیثیت سے اولیت حاصل ہی ہے جس کو انھوں نے تاریخ کے سہارے آگے بڑھا کر علمی اسلوب میں لکھا ہے۔ ان کی دیگر اہم کتابوں میں زعماء الاصلاح، النقد الادبی، الشرق والغرب، ان کی خود نوشت سوانح "حیاتی" اور ان کے مختلف مقالات و مضامین کا مجموعہ فیض الخاطر قابل ذکر اور ان کی ادبی و تنقیدی حیثیت متعین کرنے کے لئے کافی ہیں۔

چار شعر

پروفیسر کلیم ضیاء بمبئی

وقت سب کا مزاج پوچھے گا
کل نہ پوچھا تو آج پوچھے گا

ہم نے کتنوں کے دل دکھائے ہیں
آنے والا سماج پوچھے گا

وقت نازک ہے پھر بھی ہر شیشہ
پتھروں کا مزاج پوچھے گا

ہر سخنور ضیاؔ بہ فیضِ سخن
فکر کی احتیاج پوچھے گا